اسلامی فرقوں کے درمیان مکالمے کے اصول وضوابط

سکندر علی بہشتی[1]
behashti22@gmail.com

کلیدی کلمات: مذاہب اسلامی، قرآن وسنت، اخوت وبھائی چارگی، اتحادامت، اصول مکالمہ

خلاصہ

اسلام ایک جامع و کامل دین ہونے کی حیثیت سے تمام انسانی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ان انسانی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ انسانی معاشرت کے اصول و ضوابط کا تعین کرنا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں بنیادی ترین اصول انسانوں کے درمیان گفت و شنید اور بات چیت کو سمجھتا ہے۔ البتہ بات چیت کے لئے اتفاق و اختلاف دونوں صورتوں میں چند اصول و ضوابط موجود ہیں۔ ان اصولوں کو مندرجہ ذیل عناوین سے تعبیر کیا گیا ہے: بھائی چارگی کا تصور، دوسرے مسالک کے بارے میں حسن ظن، مشترکہ مسائل پر توجہ، نظریاتی اختلافات پر وسعت قلبی، دوسروں کے عقائد اور نظریات کا احترام، اہل بیتؑ، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے طرز معاشرت سے آگاہی۔ ہماری تحقیق کے مطابق معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کی ایک بنیادی وجہ ایک دوسرے کے مسالک کو ان کے بنیادی منابع سے نہ سمجھنا ہے۔ لہٰذا مسلم معاشرے کے درمیان مذہبی عصبیت کی ایک بڑی وجہ مذہبی جہالت ہے۔ مقالہ ہذا میں ان مسائل اور ان کے حل کے اصولوں پر عرق ریزی سے تحقیق کی گئی ہے، جس کے مطابق اسلامی مسالک اور فرقوں کے نظریات کو ان کے معتبر مصادر سے سمجھنا، مشترکہ اسلامی عقائد ونظریات اور فقہی مسائل پر مشتمل کتابوں کی اشاعت، دینی علماء و طلباء کے درمیان سماجی و دینی تعلقات کو استوار کرنا، مدارس اور یونیورسٹیوں میں مشترکہ تعلیمی سرگرمیوں کا انعقاد، مشترکہ مسائل پر عالمگیر سوچ و فکر کے ساتھ مجلات و جرنلز کا اجراء اور مشترک و متفرق اسلامی مقدسات کی تعظیم کرنے سے ایک بامقصد مکالمہ اور گفتگو کا آغاز ممکن ہے۔

مقدمہ

عالم اسلام اس وقت مختلف مشکلات اور مسائل کا شکار ہے۔ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مسلمانوں کاآپس میں اتحاد اور بھائی چارگی کا ہے۔اس مسئلے کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہی دنیاکے گوشہ وکنار میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کا درد رکھنے والے دانشور اور علماء ہمیشہ سے اپنی تئیں کوششیں کرتے آئے ہیں اورمشکلات کےراہ حل پیش کرتے رہے ہیں انہی افراد نے بعض ایسے مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپس میں گفت و شنید اور بھائی چارگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کئے بغیر اخوت وبرادری کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوششوں کے ساتھ چند اصولوں کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے باہمی گفت و شنید کے لیے قدم اٹھانا چاہئے تاکہ اتحاد کی راہ میں اٹھانے والے اقدامات موثر اور مفید ثابت ہوسکیں۔

اس مقالے میں ہم مسلمانوں میں ہم آہنگی کے لیے بعض ایسے اصول اور ضوابط کو پیش کریں گے جن کی رعایت سے اتحاد امت کا خواب حقیقت میں بدل سکتا ہے اور یہ اصول وقواعد اس اہم مقصد اور ہدف کے لیے وسیلہ اور مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتحاد امت کے حوالے سے بہت سے اصولوں کو بیان کیا گیا ہےاس سلسلے میں کافی کام ہوچکا ہے اس کے باوجود اتحاد امت کی واضح عملی شکل سامنے نہیں آئی ہے شاید اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ یہ اصول و ضوابط کا عارضی اور ناپائیدار ہونا ہے۔ اسی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے مقالہ ہذا میں اتحاد امت کے لئے عارضی اورثانوی اصولوں کے بجائےبنیادی اوراساسی اصول و ضوابط کا تعین کیا ہے۔

1۔ریسرچ اسکالر شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور

جب ہم صدر اسلام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ مسلمان قرآن اور رسول خداﷺ کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم ہوتے تھے اور آپس میں اس طرح پیار ومحبت سے زندگی بسر کرتے کہ" رُحَماءُ بَیْنَھُمْ(1) "کا عملی نمونہ نظر آتے اور اخوت وبھائی چارگی کا تصور ان میں مستحکم تھا جس کو رسول خداﷺ نے خود ہی عقد مواخات کے ذریعے مزید مضبوط کیا۔ لیکن آپﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں میں فکری،سیاسی، نظریاتی اور فقہی اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس وقت کے مسلمانوں نے ان اختلافات کو ایک دوسرے کی تکفیروتنفیر کا ذریعہ نہیں بنایا یہی وجہ ہے کہ امت اور عام مسلمان اپنے معاشرتی اور اجتماعی ارتباطات اور تعلقات میں امت واحدہ کا تصور پیش کرتے رہے اور اسلام کی حفاظت کے لئے سب نے مل کر دفاع کیا۔ رہبران دین، مسلمانوں کو آپس میں اختلاف سے بچنے اور مختلف قسم کے اختلافات میں سعۂ صدر اور برداشت کی تاکید کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان چھوٹے اور فرعی مسائل میں الجھنے کی بجائے اسلام کے بنیادی مسائل پر توجہ دیں اور اسلام دشمن عناصر کے خلاف اپنی توانائیاں خرچ کریں جو اصل اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَالْزَمُوا السَّوادَ الأَعْظَم فإنّ یَدَ اللّٰهِ مَعَ الجماعة وإیّاکُم والفُرْقَة فإنّ الشاذّ من الناس للشّیطان کما أنّ الشاذّ من الغنم للذّئب۔

لہٰذا تم بھی اسی راستہ کو اختیار کرو اور اسی نظریہ کی جماعت کے ساتھ ہوجاؤ کہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت کے ساتھ ہے اور خبردار! تفرقہ کی کوشش نہ کرنا کہ جو ایمانی جماعت سے کٹ جاتا ہے وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہوجاتا ہے جس طرح گلہ سے الگ رہنے والی بھیڑ، بھیڑیے کی نذر ہوجاتی ہے(2)

جب سے مسلمانوں میں ان اختلافات کو مختلف علل واسباب کی بنا پر ابھارا گیا، ان اختلافی مسائل کو علماء کے درمیان علمی اختلاف کی بجائے عوامی جذبات کو ابھارنے اور ایک دوسرے کے مقدسات کی توہین اور منفی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا، یہاں تک کہ بعض روایات اور تاریخی اختلاف کو بنیاد بنا کر بعض مسالک اور مکاتب اسلام کے ماننے والوں کو کافر،منافق اور بدعتی قرار دیا گیا،بعض ناعاقبت اندیش لکھاریوں نے صرف اپنے نظریات کو حق ثابت کرنے کے لئے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے دشمنی کی آگ اسلامی معاشرے میں بڑھکائی جس کے نتیجہ میں تکفیر وتنفیر کے رجحانات اسلامی معاشرے میں پھیل گئے۔ان تکفیر وتنفیر کے رجحانات کی وجہ سے جہاں اسلام کے آفاقیت کو نقصان پہنچا وہیں پر خود امت مسلمہ کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیاگیا۔اس گھمبیر صورت حال میں اسلام اور مسلمانوں کے مخلص علماء و محققین کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ کسی طرح اس آگ کو بجھادیاجائے جس سے امت مسلمہ دوچار ہے۔ لیکن یہ کام صرف جذباتی تقریروں،نعروں اورزبانی خرچ سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ہمیں ایک بار پھر اسلام کے رہنما اصولوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا اوررسول اللہ کی سیرت طیبہ کو نمونہ قرار دیتے ہوئے اور ائمہ مذاہب کی روش سے آشنائی حاصل کرنا ہوگی لہٰذا ان اصولوں کی پہچان اور عملی زندگی میں ان کی رعایت اور ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمان ایک پر امن زندگی گزار سکتے ہیں۔

گفتگو کی اہمیت

مسلمانوں کے درمیان مثبت ارتباط کے اصول اور آپس میں مسالمت اور رواداری کی ضرورت کا احساس ہر دور کے علما،فقہا اور مصلحین نے کیا ہے۔ قرآن مجید نے گفت وشنید کے اصول بیان کئے ہیں۔ خدانے اپنے دشمنوں کے ساتھ یہاں تک کہ شیطان کے ساتھ گفت و شنید کو بیان کیا۔ ہمیں گفت وشنید کے اصول کو قرآن مجید کے اس طرز گفت و شنید سے اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر قرآنی اصول

گفت و شنید کو درک نہ کیا گیا اور مسلمانوں نے آپس میں یکجا ہو کر گفت وشنید سے مسائل کو حل نہ کیا تو یقینا امت مسلمہ کے درمیان تفرقہ و انتشار کو کم نہیں کیا جاسکے گا۔ امت مسلمہ کو تفرقہ، اور انتشار سے نکالنے اور اس کو سر بلندی تک لے جانے کا بہترین وسیلہ گفت وشنید ہے۔

مکالمہ کے اصول

مختلف مسائل میں گفت و شنید اور مکالمہ کرنا ایک فطری عمل ہے جو ہمیں قرآن وسنت اور ائمہ مذاہب کی زندگی میں نظرآتا ہے۔مسلمانوں کے مسالک میں اختلاف آج کامسئلہ نہیں بلکہ یہ بھی دوسرے اختلافی مسائل کی مانند ایک طبیعی عمل ہے جو ابتدائے اسلام سے چلا آرہا ہے۔ اصحاب رسول،تابعین اور ائمہ مذاہب کے درمیان فکری،عقیدتی، فقہی اور یہاں تک کہ سیاسی مسائل میں اختلاف موجود تھے ان مسائل میں آپس میں مناظرے، بحث یہاں تک کہ تنقید بھی ہوتی تھی اس کے باوجود یہ اختلافات ان کےآپس میں معاشرت اور برادری میں رکاوٹ نہیں تھے۔ بلکہ آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اوررواداری اور محبت کا ماحول تھا۔ ان اختلافات کو علمی و فکر اختلافات تک محدود رکھا گیا، اس کو عملی زندگی میں آپس میں عناد و دشمنی اور نفرت کا باعث بننا نہیں دیا گیا یہی وجہ ہے کہ علماء و فقاء اور ماہرین کلام میں اختلافات کے باوجود ان کے درمیان معاشرت، اجتماع امت اور اتحاد و اتفاق جیسے موضوعات زندہ اور کامیاب رہے۔ اگر آج بھی ایک مثبت اور مفید گفت و شنید کا آغاز مسلمان فرقوں کے علماء، دانشوروں اور محققین کے درمیان کریں تو ایک مرتبہ پھر اختلاف علمی کے باوجود معاشرتی اور سماجی زندگی میں امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا ہوسکتا ہے۔ البتہ اس گفت و شنید کے لئے چند نکات اور اصولوں پر توجہضروری ہے۔ ہمارے نزدیک وہ اصول و ضوابط مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔اخوت وبھائی چارگی

مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ صرف ظاہری ہی نہیں جو زبان کی حد تک محدود رہ جائے بلکہ اس اصل کی قبولیت پر تمام احکام،حقوق اور فرائض منحصر ہیں۔ اگر اخوت اور برادری کی فکر مسلمانوں میں زندہ ہو اور سب ایک دوسرے کو دینی بھائی سمجھیں تو اس کے نتیجے میں وہاپنے دینی بھائیوں کے اخلاقی اور حقوقی ذمہ داریوں کو بھی اپنانے کے لئے آمادہ ہوجائیں گے اگر ایسا ہوا تو ایک اسلام کاپسندیدہ دینی معاشرہ وجود میں آجائے گا۔۔ قرآن اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئےفرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُون

ترجمہ:"مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(3)"

اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرمؐ نے فرمایا:

مَثَلُ المومنين في تَوَادِّهم وتراحُمهم وتعاطُفهم :مثلُ الجسد، إذا اشتكى منه عضو :تَدَاعَى له سائرُ الجسد بالسَّهَرِ والحُمّى الْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ تَتَكَافَىٰ دِمَاؤُهُمْ۔ یعنی: "مومنین ایک دوسرے کے ساتھ محبت،رحم اور الفت میں ایک جسم کی مانند ہے اگر ایک عضو کو درد ہوجائے تو اس کا پورا بدن درد کی وجہ سے بیدار رہتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کے خون میں برابر ہیں۔" (4)

آج تک عالم اسلام میں اصل بھائی چارگی کو زندہ کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی اور جو بھی کوششیں وحدت کے لیے ہوئی ہیں وہ بھی اس مقصد کے لئے کہ وحدت بیرونی دشمن کے مقابلے میں ایک سیاسی حربہ ہے نہ کہ ایک اعلیٰ ہدف۔ یہاں تک کہ بعض کی نظر میں اتحاد بھی ایک طرح کی "دشمنی کے ساتھ تعاون" ہے یعنی بڑے اہداف تک رسائی کے لئے وقتی طور پر چھوٹی دشمنیوں سے چشم پوشی کرنا، اگر اعلیٰ ہدف حاصل ہونے کے بعد مرحلہ چھوٹے اختلافات کا ہے! جبکہ دنیائے اسلام کے ئے ایک بھی بیرونی دشمن نہ بھی ہو تو بھی مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کے رہنا چاہیے اوراس بھائی چارگی کوزندہ کرنے کے لیے کوشش کرنا چاہیے کیونکہ اخوت فقط بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں ہی نہیں بلکہ ذاتی طور پر بھی مطلوب ہے اور ہر مسلمان اس کا ذمہ دار ہے۔ بہت سے تجربات نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ بعض اوقات بیرونی دشمن ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتے جو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔اس کے علاوہ جب تک بھائی چارگی کی روح مسلمانوں میں زندہ نہ ہو جائے ان میں اتحاد بھی ممکن نہیں۔(5)

مسلمانوں میں بھائی چارگی کی روح کو بیدار اور آپس میں امت واحدہ کے تصور کو اجاگر کرنے کے بعد ہی ایک ایسا مستحکم اور قوی اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس کی بنیادیں اسلام کی تعلیمات پراستوار ہوں گی۔لہٰذا سب سے پہلے روح اخوت کو زندہ کرنے اور پھر آپس میں گفت و شنید کی ضرورت ہے، کیونکہ اس نظریے کے ساتھ جو گفت و شنید ہوگی وہ مفید ہوگی۔

۲۔ دوسرے مسالک کے بارے میں حسن ظن

ایک اور اصل جس کی طرف مکالمہ سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ہے مسلمان مسالک کا ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن۔ صرف اپنے آپ کو حق اور اپنی سوچ کو مثبت سمجھنا اور دوسروں کے بارے میں منفی سوچ رکھناہی مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔جب تک مسلم مسالک ایک دوسرے کے بارے میں مثبت سوچ اور فکر کے حامل نہیں ہوں گے اس وقت تک گفت و شنید کا کوئی عملی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک دوسرےکے بارے میں بدگمانی کے نتیجے میں بد اعتمادی اور نفرت پیداہوتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکسحسن ظن کی صورت میں محبت اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے ۔ جس ے نتیجے میں گفت و شنید کے لئے ایک بامقصد اور خوشگوار ماحول مہیا ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نےانسان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حسن ظن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اثم۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بعض بدگمانیاں یقیناً گناہ ہیں۔(6)"

۳۔ مشترکات پر توجہ

مسلمان کے تقریبا نوے فی صد بنیادی اصول وفروع مشترک ہیں جن کی وجہ سے ان کو امت واحدہ کہا گیا ہے اور یہی مشترک اصول ہی اسلامی تہذیب اور تمدن کی تشکیل کے بنیادی عناصر ہیں اور اسلام کے آفاقی سوچ کے حامل شخصیات نے ان اصولوں کو معاشرے میں اجرا کرنے کی کوششیں کی ہیں اگر علماء اسلام ان دس فی صد اختلافی مسائل سے پہلے نوے فی صد مشترکہ نکات کی طرف توجہ دیں اور معاشرے میں ان مشترکہ تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے جدوجہد کریں اور اپنے مسلک اور مکتب کے لوگوں میں ان چیزوں کی اہمیت کو اجاگر کریں تو مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق وجود میں آسکتا ہے۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے اور آپس میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ (7)

ترجمہ: "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی ہوگئے۔"

مسلمانوں میں بہت سے فکری، عقیدتی، سیاسی اور اجتماعی مسائل مشترکہ ہیں جن کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ مسلمانوں کے حقیقی مسائل کا حل بھی انہیں مشترک اسلامی تعلیمات میں موجود ہے لیکن ان کو چھوڑ کر امت کو ایسے لا حاصل کاموں میں مصروف رکھا گیا ہے جس سے امت کا عظیم سرمایہ ضائع ہو رہا ہے۔ اور اُمت اپنے تعمیری اور مثبت اہداف سے دور ہوتی گئی ہے۔

۴۔ اختلاف کو قدرتی امر سمجھنا

مسلمان ایک ہی امت ہیں اور سب اکثر بنیادی اصول وفروع میں متحد ہیں۔ اختلافات کا سلسلہ اسلام کی تکمیل کے اعلان کے بعد آہستہ آہستہ مختلف علل و اسباب کی وجہ سے وجود میں آیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد، اصحاب رسول، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مذاہب کے درمیان فکری، عقیدتی، فقہی، کلامی مسائل میں اختلاف مسلمانوں کی تاریخ کی ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ اور یہ اختلاف اسلام کو سمجھنے اور ان کے حصول کے طریقہ کار اور مصادر کے تعدد اور دیگر سیاسی اسباب کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے اور تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہی مختلف مکاتب نے اس کی تشریح کر دی ہے اور باقاعدہ ان کے اصول ضوابط وضع کیے گئے ہیں۔ لیکن دینی فہم میں اختلاف کبھی بھی آپس میں مکالمہ نہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا، بلکہ وہ اپنے نظریاتی اختلافات کو نہات ہی دوستانہ ماحول میں گفت و شنید کرتے ہوئے ایک دوسرے کے نظریات کو رد کرتے تھے اور یہ سیرت قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی سے ماخوذ تھی۔ قرآن نے سابقہ انبیا کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مخالفین انبیا کی باتوں اور انبیا کے جوابات کو ذکر کیا ہے بلکہ مخالفین کے کفر آمیز کلمات، مناظروں اور مجادلات کو ذکر کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی ہمیں دشمنان دین کے ساتھ مکالمے میں ناکامی کے بعد اور آخری مرحلہ میں ہی جنگ وقتال نظر آتی ہے۔ اسی طرح اصحاب رسول کے باہمی اختلاف کے باوجود جب کسی شرعی اور دینی مسئلہ میں مشکل پیش آتی یا اسلام کو کوئی خطرہ محسوس ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۵۔ وحدت کی روش

مسلمانوں میں دوریاں پیدا ہونے کی ایک اہم وجہ صدر اسلام کی اہم شخصیات کی روش اور ان کے طرز معاشرت سے آگاہ نہ ہونا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان ہستیوں کے طرز عمل اور زندگی سے آشنائی حاصل کریں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان اکابرین کے درمیان فکری و نظریاتی اختلافات کے باوجود بغض و عناد نظر نہیں آتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام میں کلامی فرقوں کے وجود میں آنے کے بعد بھی ان فرقوں کے اکابرین اور ائمہ کے درمیان تضاد اور بغض و عناد نہیں تھا اور نہ ہی یہ لوگ ایک دوسرے کی مذہبی تکفیر کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ائمہ مذاہب کے آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات اور احترام کے بہت سی انمول مثالیں ملتی ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کے امام ابو حنیفہ اور دیگر مختلف مذاہب کے علما کے ساتھ علمی مناظرے اور بحث جس میں توحید، نبوت اور اسلامی فلسفہ احکام کے بارے میں گفت و شنید ہوتی تھی یہ سب محققین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

منصور دوانقی نے حضرت ابوحنیفہ کو آمادہ کیا کہ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بحث ومباحثہ کریں تاکہ حضرت ابوحنیفہ کی کامیابی کی صورت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تحقیر ہو۔ جس کو مورخین نے یوں نقل کیا ہے۔

"منصور نے مجھ سے کہا کہ لوگ جعفر بن محمد کی طرف حیرت انگیز حد تک متوجہ ہیں اور لوگوں کا سیلاب ان کی طرف بہا چلا جارہا ہے۔ تم پہلے چند مشکل مسئلے تیار کرکے ان کا حل جعفر بن محمد سے دریافت کرو۔ جب وہ تمہارے پیش کئے ہوئے مسائل کے جواب نہیں دے سکیں گے، تو لوگوں کی نظروں میں گر جائیں گے۔ لہٰذا میں نے چالیس بہت پیچیدہ اور مشکل مسئلے تیار کئے۔ اس کے بعد حیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت ابوحنیفہ کی منصور کی موجودگی میں ملاقات ہوئی۔ منصور کے دربار میں اپنے داخلے کے بارے میں خود حضرت ابوحنیفہ کہتے ہیں: جب میں دربار میں داخل ہوا، تو میں نے حضرت جعفر بن محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا جن کی شخصیت کی ہیبت وعظمت حتیٰ خود منصور پر بھی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا اس کے بعد منصور نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اپنے سوالات ابوعبداللہ کے سامنے پیش کرو۔ میں جو مسائل لایا تھا یکے بعد دیگرے انہیں آپ سے پوچھنے لگا۔ آپ ان کے جواب میں فرماتے تھے: اس مسئلے میں تمہارا عقیدہ یہ ہے اور اہل مدینہ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں اور ہماری رائے یہ ہے۔ آپ کی رائے بعض مسائل میں ہمارے نقطہ نظر سے، بعض میں اہل مدینہ کے عقیدے اور بعض میں ہم دونوں سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ اس طرح میں نے آپ کی خدمت میں چالیس مسئلے پیش کئے اور آپؑ نے ان کا جواب دیا۔ مناظرے کے اختتام کے بعد بے اختیار حضرت ابوحنیفہ نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آخری کلمات یوں ادا کیے: ان اعلم الناس، اعلمھم باختلاف الناس۔ عالم ترین انسان وہ ہے جو مسائل میں لوگوں کے اختلاف رائے سے بھی واقف ہو۔" (8)

امام مالک نے امام صادق علیہ السلام کے بارے میں کہاہے کہ:

ما رات عین ولا سمعت اذن ولا خطر علی قلب بشر افضل من جعفر ابن محمد الصادق فضلا وعلما وعبادۃ وورعا۔

یعنی: "علم، عبادت اور پرہیزگاری میں جعفر ابن محمدؑ سے بہتر نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اُن جیسی ہستی کا خیال آیا ہے۔" (9)

اسی طرح ایک اور جگہ امام مالک نے حضرت جعفر بن محمدؑ کے بارے میں فرمایا ہے:

كُنْتُ أَدْخُلُ عَلَى الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ع فَيُقَدِّمُ لِي مِخَدَّةً وَ يَعْرِفُ لِي قَدْراً وَ يَقُولُ يَا مَالِكُ إِنِّي أُحِبُّكَ فَكُنْتُ أُسَرُّ بِذَلِكَ وَ أَحْمَدُ اللَّهَ عَلَيْهِ وَ كَانَ ع لَا يَخْلُو مِنْ إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ إِمَّا صَائِماً وَ إِمَّا قَائِماً وَ إِمَّا ذَاكِراً وَ كَانَ مِنْ عُظَمَاءِ الْعُبَّادِ وَ أَكَابِرِ الزُّهَّادِ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ كَانَ كَثِيرَ الْحَدِيثِ طَيِّبَ الْمُجَالَسَةِ كَثِيرَ الْفَوَائِدِ۔

یعنی: "میں کچھ عرصے تک جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہو اکرتا تھا۔ آپ اہل مزاح تھے اور ہر وقت آپ کے لبوں پر ایک ہلکی مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا تو آپ کا رنگ متغیر اور پھر زردی مائل ہو جاتا تھا۔ جس زمانے میں میری آپ کے یہاں آمد ورفت تھی، میں نے کبھی آپ کو ان تین حالتوں کے سوا نہیں دیکھا یا تو آپ نماز کی حالت میں ہوتے تھے یا روزے کے عالم میں، یا تلاوت قرآن میں مشغول۔ آپ کبھی بھی بغیر وضو کے رسول اللہ سے حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ کوئی فضول بات نہیں کرتے تھے، آپ ان زاہد علما میں سے تھے جن کے

پورے وجود پر خوف خدا چھا یا ہوا ہو۔ میں جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا،آپ اپنی مسند نکال کر میرے نیچے رکھ دیا کرتے۔" (10)

روایت ہے کہ عراق کے محدث جلیل اور کوفہ کے واعظ شرین گفتار سفیان ثوری ایک مرتبہ حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صادق علیہ السلام خاموش بیٹھے رہے، کوئی بات نہیں کی۔ثوری نے کہا "میں اس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک آپ مجھ سے کلام نہ فرمائیں "یہ سن کر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے سفیان کثرت قیل و قال اچھی بات نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر تمہیں کوئی نعمت دیں تو اس کے دوام وبقا کو محبوب رکھو۔اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر وسپاس بجا لاو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تم پر انعامات زیادہ کروں گا۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوجائے تو زیادہ استغفار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے :فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا۔ اے سفیان اگر تمہارا سلطان یاحکومت وقت سے پالا پڑ جائے تو لاحول ولاقوۃ الاباللہ کثرت سے پڑھا کرو کہ کشادگی کی کنجی اور جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔سفیان نے دل میں نقش ہوجانے والے یہ الفاظ سنے،ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔(11)

یہاں اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ ان شخصیات کے آپس میں عقیدتی، فقہی اختلافات تھے اور سیاسی روش بھی جدا تھی لیکن اس کے ہمیں ان باوجود آپس میں مختلف مسائل پر گفتگو اور ایک دوسرے سے مل بیٹھنا اور باہمی احترام نظر آتا ہے اور یہی وہ طریقہ کار ہے جو آج کے علماء کے لیے نمونہ عمل ہے کہ دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے سے علمی گفت و شنید کریں اورایک دوسرے کے علمی ذخائر سے استفادہ کریں۔

٦۔دوسروں کے عقائد و نظریات کا احترام

ایک بامقصد مکالمے کے آغاز کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے نظریات کا احترام کیاجائے۔ کچھ شخصیات اور مسائل ہر مکتب فکر کے لئے نہایت ہی مقدس ہوتے ہیں، اگر اس مقدس نظریے کی ابتدا سے ہی بے احترامی کی جائے تو مکالمے کا عمل آگے نہیں بڑے گا۔اسی پس منظر میں قرآن نے دعوت اور گفت و شنید میں بالترتیب تین مراحل کو بیان کیا ہے:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ (12)

ترجمہ:"اے رسول (حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں،یقینا آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیاہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔"

اس آیت میں باہمی گفت وشنید کے بعض اصول و ضوابط کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ **اول** یہ ہے کہ مسلمانوں کی دعوت کامقصد فی سبیل اللہ ہو۔ **دوم**: گفت و شنید میں مخاطب کی فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔**سوم**:گفت و شنید میں منطقی طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ **چہارم**:یہ طریقہ حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ احسن کے مطابق ہو۔ یعنی کسی سے مجادلہ ہو تو اس میں بہترین روش کی پیروی کی جائے۔مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسروں کے بارے میں غلط بیانی اور بدزبانی آپس کی دشمنی کا ذریعہ ہے اسی لیے قرآن نے اس غلط عمل سے سختی سے منع کیا ہے:

لَا تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللهِ فَيَسُبُّواْ اللهَ عَدْوَا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَالِكَ زَيَّنَّا لِكلُ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبهِّم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَعْمَلُون(13)

ترجمہ: "گالی مت دو ان کو جن کو یہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں مبادا وہ عداوت اور نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں، اس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے ان کے اپنے کردار کو دیدہ زیب بنایا ہے پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے اپنے دور خلافت میں اپنے نظریاتی مخالفین کے ساتھ اختلافات کے باوجود اپنے ماننے والوں کو اپنے مخالفین کے بارے میں بدزبانی کرنے سے واضح الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

"انِّی أَکْرَہُ لَکُمْ أَنْ تَکُونُوا سَبَّابِینَ وَ لَکِنَّکُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ أَعْمَالَهُمْ وَ ذَکَرْتُمْ حَالَهُمْ کَانَ أَصْوَبَ فِی الْقَوْلِ وَ أَبْلَغَ فِی الْعُذْرِ وَ قُلْتُمْ مَکَانَ سَبِّکُمْ إِیَّاهُمْ اللَّهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَ دِمَاءَهُمْ وَ أَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَ بَیْنِهِمْ وَ اهْدِهِمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ حَتَّی یَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَهِلَهُ وَ یَرْعَوِیَ عَنِ الْغَیِّ وَ الْعُدْوَانِ مَنْ لَهِجَ بِهِ۔

یعنی: "میں تمہارے لیے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ۔بہترین بات یہ ہے کہ تم ان کے اعمال اور حالات کا تذکرہ کرو تاکہ بات بھی صحیح رہے اور حجت بھی تمام ہو جائے اور پھر گالیاں دینے کے بجائے یہ دعا کرو کہ خدایا! ہم سب کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے معاملات کی اصلاح کردے اور انہیں گمراہی سے ہدایت کے راستہ پر لگا دے تاکہ ناواقف لوگ حق سے باخبر ہو جائیں اور حرف باطل کہنے والے اپنی گمراہی اور سرکشی سے باز آ جائیں۔"(14)

۷۔اسلامی معاشرے کی تشکیل

البتہ اتحاد کے سلسلے میں ہونےوالی کوششوں کے کامیاب نہ ہونے کا بنیادی سبب بعض افراد، گروہوں اور پارٹیوں کی طرف سے اتحاد اور وحدت کے نام پر ذاتی اور گروہی مفادات کا حصول ہے، جو اپنے مفادات کے حصول کے لیے وحدت کا نعرہ لگاتے ہیں۔ لیکن اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں اس وجہ سے معاشرہ، گفت و شنید اور مکالمہ کے حوالے سے ہونے والے کاموں کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔مسلمانوں کے درمیان گفت و شنید کا مقصد ایک بلند ہدف کی خاطر ہونا چاہیے اور وہ مقصد اخوت اور بھائی چارے پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل ہے، جہاں اسلام کا تحفظ ہو اور مسلمان امن وسکون سے اسلامی اصولوں کی روشنی میں زندگی بسر کر سکیں۔ کیونکہ تمام مسلمان قرآن کو بحیثیت دستور اور قانون، تمام انبیا کو رہبران الٰہی خصوصاً رسول اکرمؐ کو بحیثیت آخری نبی اور رہبر کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا امت اسلامی کا یکجا اور متحد رہنا لازم ہے تاکہ اہداف پیغمبرؐ عملی شکل اختیار کر سکیں جس سے اسلام کا غلبہ اور عدل وانصاف پر مبنی الٰہی حکومت تشکیل پاسکے جس کے لیے امت کو اجتماعی جدوجہد کرنا چاہئے۔ "هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کردے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔۔(15)

ان اہداف کا حصول پوری امت کی آپس میں یکدلی، محبت اور وحدت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ ہمدلی ومحبت ہی ہے جو مسلمانوں کو حقیقی اسلام کے قبول کرنے اور دین حق کو اپنی زندگی میں اپنانے کی راہ ہموار کرتی ہے اور مسلمانوں کو دنیا میں عزت وسربلندی کے ساتھ دشمنان بشریت کے مقابلے میں مقاومت اور مبارزہ کرنے کی قدرت عطا کر سکتی ہے۔

۸۔ایک دوسرے کے صحیح نظریات سے آگاہی

امت کے درمیان مکالمےاور گفتگو کے لیے ایک اہم روزت ہر مسلک کی بنیادی اور معتبر مصادر کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں گفت و شنید کی راہ میں رکاوٹ وہ نظریات اور افکار ہیں جو ایسے افراد کی طرف سے تقریروں اور تحریروں میں پیش کی جاتے ہیں جو اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں اور وہ بعض اوقات اسلامی نظریات کی غلط تشریح کرکے یا بعض اختلافی مسائل کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں نفرت اور دشمنی کی بیج بوتے ہیں اگر ہم ان ہی چیزوں کو اسی مسلک اور مذہب کے محققین، فقہائے عظام اور معتبر کتابوں میں تلاش کریں تو حقیقت بالکل اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ اس کے لیے کسی نظریے یا فکر کے حوالے سے کسی خطیب، ذاکر اور ضعیف روایت اور کمزور دلیل سے استدلال کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں بلکہ دوسرے مسلک کے نظریات کی ترجمان اور معتبر شخصیات اور کتابیں ہی اس مسلک یا مکتب کی ترجمانی کرتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی مسالک کو ایک دوسرے کو پہچاننے کا صحیح ذریعہ یہ ہے کہ ہر مکتب اسلامی ایک دوسرے کے فقہی اور مکتبی نظریات کو ہر فرقے کے نامور اور جید علما سے حاصل کریں۔ کہ جبکہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہمشہ مختلف مکاتب ایک دورسرے کے نظریات کو غیر معتبر لوگوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سرزمین پاکستان میں ہمیشہ سنی سنائی باتوں اور اہل ممبر کی تقریوں سے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یاد رہنا چاہئے کہ دور حاضر میں ممبر و محراب کمرشل مقاصد کے ذرائع بن چکے ہیں۔ اب محراب و منبر میں اکثریت انتہائی غیر متعبر افراد کا قبضہ ہے۔ زیادہ تر لوگ مسلکی نظریات کو ان ہی لوگوں سے لینے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے غلط فہمیاں اسلامی مسالک کے درمیان بہت زیادہ پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس کے واحد حل یہی ہے کہ مسالک کے متعبر اور مستند علماء اور مفتیان دین سے مسلکی نظریات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر مختلف مکاتب کے درمیان فصل کے بجائے وصل پیدا ہوسکتا ہے۔ یہی ایک کارآمد طریقہ ہےکہ مسالک اسلامی کے درمیان انسیت اور قربت پیدا ہوجائے اور مزید گفت و شنید کے دروازے کھل سکیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع علماءآپس میں بحث اور گفت و شنید کریں تو ایک دوسرے کے درمیان موجود مسائل حل ہوسکتے ہیں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عقائد، تاریخ، فقہی، سیاسی مسائل پر مشتمل مشترکہ لٹریچر تیار کیا جائے تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔ "شیعہ اور سنی محققین دونوں مذہب کی متفقہ احادیث پر مشتمل کتابوں کی تدوین کریں اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ آنحضور اور آپ کے اہل بیت ہدیٰ اور اصحاب ہدیٰ کی وساطت سے نقل ہونے والی حدیثوں کا موازنہ کیاجائے تو تین قسم کی حدیثیں سامنے آتی ہیں) الف (جن کے مضامین مختلف ہیں) ب (جن کا مضامین متفق علیہ ہیں لیکن الفاظ مختلف ہیں) ج (جن کے مضامین اور الفاظ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر طرفین کے جید علماء کی مشترکہ کمیٹی دوسری اور تیسری قسم کی احادیث کی تدوین کریں اور شیعہ سنی مذاہب کے درمیان سنت نبوی کا اندازہ لگائیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تفرقہ بازوں اور بیرونی ایجنٹوں کے چہرے سیاہ ہوجائیں اور شیعہ وسنی عوام کو معلوم ہوجائیں کہ وہ ایک دوسرے سے کس قدر نزدیک ہیں۔ ایک کتاب اہل سنت اور شیعوں کے مشترکہ اعتقادات کے بارے میں اور ایک کتاب فقہ کے اہم مسائل اور کلی اصولوں کے بارے میں تدوین کیا جائے، جس کا مفید اثر ہوگا۔اس کا خلاصہ مدارس دینیہ کے مختلف تعلیمی مراحل کے تعلیمی نصاب میں داخل کیا جائے، اسی طرح سے سرکاری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں طالب علموں کو ان کی تعلیم دی جائے تاکہ مذکورہ اتحاد نعربازی اور زبانی خرچ نہ ہو بلکہ اتحاد بنیادی اور اساسی امور کو عملی جامہ پہنایاجائے۔" (16)

خلاصہ یہ کہ اگر امت کے علما اور دانشور ان اصولوں کی روشنی میں قدم اٹھائیں اور امت کے درمیان اتحاد کے لیے اخلاص اور بصیرت کے ساتھ کوشش کریں تو یقینا اس عمل میں کامیابی یقینی ہے لیکن ان اصولوں کو نظر انداز کر کے کی جانے والی کوششیں اگرچہ وقتی طور پر کارآمد ہو سکتی ہے لیکن دیرپا اور پائیدار نہیں ہو سکتی۔

*****

حوالہ جات

1۔الفتح۔29

2۔ نہج البلاغہ، سید رضی،ترجمہ از سید ذیشان حیدر جوادی) انصاریان پبلیکیشنز، قم (خطبہ127

3۔الحجرات10 بلاغ القرآن، شیخ محسن علی نجفی، اسلام آباد

4۔ مسلم، ؛کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم و تعاضدہم، ج4، ص1999، رقم حدیث2586 ۔ بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و البہائم، ج8، ص10، رقم حدیث6011 ۔

5۔ محمد اسفندیاری، ہمۂ ما برادریم، تہران ، ناشر: نشر نگاہ معاصر، ۱۹۹۳ش، ص، ۱۸۔

6 ۔القرآن(49/12

7۔القرآن(3/103

8 ۔ اسدحیدر،الامام الصادق والمذاہب الاربعہ۔ ج۱ ص۳۳۳ الطبعۃ ۱۴۲۵ ناشر دارالکتب الاسلامی

9۔ نقل کلامہ القاضی عیاض فی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ 42 / 2 :طبع دار الفکر۔ ونقل قریباً من ذلک ابن حجر العسقلانی فی تہذیب التہذیب70 / 2 :، دار الفکر بیروت

10۔ ابن بابویہ، محمد بن علی، الخصال،2 جلد، جامعہ مدرسین - قم، چاپ :اول،1362 ش.

11۔ محمد ،ابوزہرہ ،حضرت امام جعفر صادق، ص۸۷

12۔القرآن،۱۶:۱۲۵

13۔القرآن(6/108

14۔ نہج البلاغہ۔خطبہ ۲۰۶، انصاریان پبلیکیشنز، قم

15۔القرآن(61/8

16۔ محسنی، آصف ، تقریب مذاہب موانع اور راہ حل، رسالت حوزہ۔شمارہ۔۹ ص۸۔موسسہ امام رضا نجف اشرف۔۱۴۳۷ھ